وفا یزدان منش*

معاصر پاکستانی اردو سفرناموں میں ایرانی تہذیب کے نقوش

Abstract:

The Descriptions of Iranian Culture in Contemporary Pakistani Urdu Travelogues

In the last four decades, many travelogues of Iran have been written by Pakistani writers in Urdu. These travelogues narrate a whole range of features of the Iranian society. Conspicuously, the Iranian culture seems to intrigue Pakistani travellers, for many reasons. Comments are made about the cleanliness, customs, behavior, and temperament of Iranian people. Though there is a general disliking for few Iranian food items, the Iranian cinema never goes unappreciated. The clothing of the Iranian women has also been discussed as a cultural indicator. The data from these travelogues and the praise for Iranian culture points towards many similarities between the two neighboring countries and sharing a surfeit of religious and cultural values. This article analyses and explains these impressions from an Iranian viewpoint.

Keywords: Iran, Urdu, travelogues, Iranian culture, Pakistan, Iranian food.

مقدمہ

تہذیب، ایک معاشرے، ایک خطے اور ایک علاقے میں مروجہ رسومات، روایات، رہن سہن اور سوچ کے طریقوں کا ایک مجموعہ ہے جس میں قومی اور مذہبی تفکر سے تبدیلیاں آتی ہیں۔ تہذیب، قوم کی پہچان اور اس کی قدامت پر دلیل ہوتی ہے۔ چاہے دھیرے دھیرے تہذیب کروٹ بدلے، پھر بھی اس تبدیلی کا ایک پس منظر ہوتا ہے اور وہ اپنے ماضی سے یک سر ترکِ تعلق نہیں کرسکتی۔ کسی قوم کی تہذیب و ثقافت کے جائزے کے دو ذرائع ہیں: مطبوعہ تحریریں اور مشاہدات۔ مشاہدات کے لیے متعلقہ خطے میں موجود ہونا ضروری ہے اور یہ کم لوگوں کو میسر ہوتا ہے لیکن لوگوں کی یہی محدود تعداد جب اپنے مشاہدات کو نشر کرتی ہے تو لاتعداد لوگوں کی معلومات میں اضافے کا سبب بنتی ہے۔ البتہ یہاں ''نشر کرنا'' سے مراد صرف کتاب کی شکل میں اشاعت نہیں کیوں

کہ آج کل کی دنیا میں دور دور تک معلومات بہم پہنچانا مشکل کام نہیں، ٹیکنالوجی نے سہولتیں پیدا کر دی ہیں ۔ اپنی جستجو سے متعلق بس دو تین کلیدی الفاظ کسی سرچ انجن میں لکھیں، بڑے پیمانے پر خیالات اور آرا سامنے آ جاتی ہیں۔ لوگ سفرناموں پر بہت بھروسا کرتے ہیں، اگرچہ اس صنف کے سلسلے میں کچھ غلط فہمیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ سفر ناموں کی زبان اور واقعہ نویسی ان غلط فہمیوں کا باعث ہیں۔ اس لیے سفرناموں کے تجزیے کیسے جانے چاہئیں۔ ان پر تنقید کی جانی چاہیے، غلطیوں کی نشان دہی ہونی چاہیے۔ پھر سفرنامے اور اس پر لکھی گئی تنقید کو یک جا دیکھا جائے تا کہ سفر نامہ صحیح اور علمی انداز میں استفادے کے قابل بنے۔ یہاں بھی سفرنامہ نگار کے اظہارات کا جائزہ لینے کے لیے سفرنامے کے مفاہیم کا دو حصوں یعنی مشاہدات و تاثرات میں بانٹ کر مطالعہ کرنا ضروری ہے اور ہر ایک کے جانچنے کا طریقہ الگ ہے۔ مشاہدات میں غلطیاں ہو سکتی ہیں مگر تاثرات میں نہیں۔ تاہم اگر مشاہدات کے کسی پہلو میں پیدا شدہ غلطی کا ازالہ کیا جائے تو سفرنامہ نگار کا تاثر بھی تبدیل ہو جائے گا۔ دوسرے الفاظ میں، تاثرات مشاہدات کی بنا پر پیدا ہوتے ہیں اور ان میں سفرنامہ نگار کی سوچ، تہذیب، مذہبی اور قومی تفکر اور تھیوری کا بڑا دخل ہے۔ چناں چہ کسی دوسری قوم کی تہذیب و ثقافت کی تصویر کشی کرتے ہوئے سفرنامہ نگار اپنا باطن بھی منعکس کرتا ہے۔ ''سفرنامہ نگار الفاظ کے حوالے سے اپنے باطن میں چھپی ہوئی حقیقتوں کا انکشاف کرتا ہے اور داخل میں وارد ہونے والے ہر تجربے کو لفظوں کی مدد سے جانچتا اور پرکھتا ہے۔ ان تجربات کو محسوسات کی سطح پر ملانے کے لیے لسانیاتی پیکر ایک نئی کشفی حالت میں دوچار ہوتے ہیں۔ سفرنامے ایک دو نہیں کئی مقام آتے ہیں۔ کبھی یہ سفرنامے سے داخل کا سفر ہے ۔ ۔ ۔ یا پھر داخل سے خارج کا سفر [۱]۔''

لہٰذا سفرنامے میں بیان شدہ تاثرات کی وضاحت کی جا سکتی ہے ان کی نوک پلک درست کی جا سکتی ہے مگر ان پر انگلی نہیں اٹھائی جائے گی۔ اس لیے ایک ہی منظر سے متعلق سفرنامہ نگاروں کے ہاں مختلف تاثرات ملتے ہیں۔ کہا جا سکتا ہے سفرنامہ نگار کی تہذیب اور دوسرے ملک یا خطے کے لوگوں کی تہذیب کے مابین ایک رابطہ پایا جاتا ہے۔

سفرناموں میں تہذیب کے علاوہ سیاست، معاشیات، جغرافیہ، تاریخ، تعلیم اور مذہب جیسے موضوعات کی بھرپور معلومات ملتی ہیں۔ اس لیے سفرنامہ نہ صرف ادب میں ایک اہم صنف سمجھا جاتا ہے بلکہ ہر شعبے میں اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ صدیوں سے پوری دنیا کے لوگ ایران کا سفر کر چکے ہیں اور مختلف زبانوں میں بے شمار سفرنامے لکھے گئے ہیں۔ ''جن لوگوں نے ایران کا سفر کیا ہے، ان میں سے اکثر ایران کو اس لیے دیکھنا چاہتے ہیں کہ علم و تہذیب کے لحاظ سے تاریخ میں اس کی خاص قدر و منزلت ہے [۲]۔''

۱۸۸۵ء سے لے کر اب تک برصغیر کے لوگ برابر ایران کا سفر کرتے اور اردو میں سفرنامے لکھتے رہے ہیں۔ آہستہ آہستہ سفر کی سہولت اور بڑھ گئی تو مسافروں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا گیا اور سفرنامہ نگاری میں بھی وسعت آ گئی۔ ان سب سفرناموں کو تہذیب کے تناظر میں دیکھیں تو یہ سب ایرانی تہذیب کی بنیادی اور تغیر پذیر خصوصیات سے آگاہ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ سفرنامے مشاہدات کا اہم ذخیرہ ہیں اور تاثرات کا ایک اہم سرمایہ بھی۔ یہاں ہم اسلامی انقلاب کے بعد قلم بند ہونے والے سفرناموں میں سے منتخب سفرناموں کو زیر بحث لائیں گے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ گذشتہ چند دہائیوں میں لکھے گئے سفرنامے پرانے سفرناموں سے بہت مختلف ہیں۔ پہلے سفرناموں میں مشاہدات کا ذکر زیادہ ملتا تھا مگر حالیہ زمانے تک آتے آتے مشاہدات کے ساتھ ساتھ تاثرات بھی سفرناموں میں امنڈ آئے ہیں۔ مشاہدات سب کے ایک جیسے ہیں مگر تاثرات طرح طرح کے ہیں۔ خالد محمود لکھتے ہیں:

> قدیم سفرنامہ نگار، سرزمین کی تلاش کا احوال، اجنبی دیس کے بازاروں کی رونق، تہذیب و معاشرت، رسم و رواج، عجائب و غرائب، تاریخ و جغرافیہ اور تمدن کی تفصیل رقم کرتا تھا۔ آج کا سیاح اشیا کا شمار اور افراد کا تعارف کرانے کے بجائے ذاتی تاثرات جذبات و احساسات اور نجی ردِعمل کا اظہار کرتا ہے۔ قدیم سفرناموں کی بہ نسبت تخلیقی انداز پر زیادہ زور دیا جاتا ہے[۳]۔

ہم یہاں گذشتہ چار دہائیوں میں، جو اسلامی انقلاب سے اب تک کا احاطہ کرتی ہیں، ایران سے متعلق اردو سفرناموں کا تہذیبی تناظر میں جائزہ لیں گے۔ اس عرصے میں لکھے ہوئے سفرناموں کی بے شمار تعداد کی وجہ سے صرف پاکستانی سفرنامہ نگاروں کو مدنظر رکھا گیا ہے اور سب تک رسائی ممکن نہ ہونے کی وجہ سے چند سفرناموں کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ ان کے مصنفین نے مختلف اغراض ومقاصد کے تحت ایران کا سفر اختیار کیا۔

زیر مطالعہ سفرنامے

افضل علوی (سن ندارد) اکتوبر ۱۹۷۷ء میں پاکستان کی نیشنل کونسل کے اہتمام سے پچیس لوگوں کے ساتھ چار مہینے کے فارسی کورس کے لیے ایران آئے۔ انھوں نے اپنا سفرنامہ دیکھ لیا ایران پہلی دفعہ ۱۹۸۲ء میں چھپوایا۔ مختار مسعود (۱۹۲۶ء-۲۰۱۷ء) آر سی ڈی (Regional Cooperation for Development) کے سیکریٹری بن کر ۱۹۷۸ء میں چار سال کے لیے ایران آئے۔ افضل علوی اور مختار مسعود دونوں نے ایران کی پچھلی حکومت کا شیرازہ بکھرنے اور اسلامی انقلاب رونما ہونے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ مختار مسعود ایران سے واپسی پر لکھتے ہیں:

میرے سامان میں سب سے قیمتی اور وزنی شے ایک احساس ہے۔ تجربے اور مشاہدے کا نچوڑ۔ انقلاب کا حاصل۔ پی آئی اے والے اس کا وزن نہیں کرتے۔کرایہ بھی نہیں لیتے۔ ہوائی جہاز والوں پر ہی کیا موقوف ہے، احساس اور آگاہی کو کوئی بھی خاطر میں نہیں لاتا۔ ۔ ۔ میں ایران سے جو دولت ہمراہ لے کر جا رہا ہوں اس کے سامنے نائین کے ریشمی قالین اور مظفریان کے خوش رنگ فیروزے ہیچ ہیں۔

مختار مسعود نے انقلاب کے دور کا مفصل ذکر کیا ہے، وہ اپنے قیمتی مشاہدات و تجربات کو لوحِ ایام میں قلم بند کیا ہے۔''اسی لیے ان کا سفرنامہ لوحِ ایام ایران کے انقلاب کے حوالے سے اہم ماخذ شمار کیا جاتا ہے[۵]۔''

ارشاد احمد حقانی (۱۹۲۸ء-۲۰۱۰ء) نے نومبر ۱۹۸۳ء میں دوسرے صحافیوں کے ساتھ ایران کا سفر کیا۔ وہ اپنے سفر کا مقصد ایران کے بارے میں پیدا شدہ غلط فہمیاں دور کرنا بتاتے ہیں۔ ان کے سفرنامے کا عنوان انقلاب ایران ہے۔''اس کتاب میں انھوں نے دورِ آمریت کا بھی ذکر کیا ہے کہ اس سے جو خرابیاں پیدا ہوئیں وہ بالآخر انقلاب کا باعث بنیں۔ ارشاد حقانی کا شمار ملک کے ممتاز صحافیوں میں ہوتا تھا اور سیاسی تجزیہ نگار کی حیثیت سے انھیں کافی شہرہ ملا۔ یہ کتاب بھی ان کی تجزیہ نگاری اور حقیقت آفرینی کا منہ بولتا ثبوت ہے[۶]۔'' حقانی نے ایران سمیت کئی ممالک مثلاً چین، برطانیہ، جرمنی، سپین، سوئٹزرلینڈ، سعودی عرب، بھارت، بنگلا دیش، ترکی، انگلستان کا سفر کیا ہے۔

اسعد گیلانی (۱۹۵۲ء-۱۹۹۲ء) کو فروری ۱۹۸۰ء اور پھر فروری ۱۹۸۳ء میں اسلامی انقلاب کی سال گرہ پر ایران بلایا گیا۔ وہ اپنے سوالات ایران کی مختلف شخصیات سے پوچھ کر اپنے شبہات دور کرتے ہیں۔گیلانی یہ سب سوال و جواب، ایران کے انقلاب اور اس کی کارکردگی اور آٹھ سالہ ایران عراق جنگ کے بارے میں سفرنامہ ایران میں اظہار خیال کرتے ہیں۔ وہ سیاسی اور مذہبی تناظر سے ایران کو دیکھتے ہیں۔

محمد صلاح الدین (۱۹۳۵ء-۱۹۹۴ء) ایک صحافی کے طور پر اسلامی انقلاب کی تیسری سال گرہ میں شرکت کے لیے فروری ۱۹۸۱ء میں ایران بلائے گئے۔ انھوں نے اپنے سفر کے واقعات کو انقلاب ایران کیا کھویا؟ کیا پایا کے عنوان سے چھپوایا اور اس میں سیاسی زاویے سے ایران کے اسلامی انقلاب کا تجزیہ کیا۔

سید علی اکبر رضوی (سن ندارد) اکتوبر ۱۹۹۳ء میں ڈیڑھ مہینے کے لیے ایران آئے۔ انھوں نے ایران سے متعلق نظام تعلیم، جغرافیہ، تاریخی مقامات، موسمیات، آبادی اور فصلوں جیسی معلومات کو اپنے سفرنامہ ایران سرزمین انقلاب میں اکٹھا کیا۔ وہ زیارتی، تاریخی اور تفریحی مقامات کی جیتی جاگتی تصویریں، دل کش اسلوب سے اپنی تحریر میں پیش کرتے ہیں اور ان

کا پس منظر بھی بتاتے ہیں۔ وہ انقلاب سے پہلے بھی ایران کا سفر کر چکے تھے، اس لیے دو مختلف ادوار (انقلاب سے پہلے اور بعد) کا موازنہ بھی کرتے ہیں:

> جدید اسلامی ایران کے سیاسی، تہذیبی اور انتظامی ترقی کے اس پس منظر میں اس سفرنامے کو پڑھ کر مقاصد انقلاب زیادہ واضح نظر آتے ہیں۔ اس سفرنامے میں ہمیں ایران میں مروج اسلامی اصولوں، روایات، کلچر اور تہذیبی رچاؤ کا سیر حاصل تذکرہ ملتا ہے اور تاریخی، تہذیبی اور ثقافتی اقدار پوری جزئیات کے ساتھ ہماری آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتی ہیں[۷]۔

آفتاب سومرو (سن ندارد) ۱۹۹۶ء میں کوئٹہ میں ایرانی ثقافتی مرکز کے وسیلے سے اسلامی انقلاب کے بانی کی ساتویں برسی میں شرکت کے لیے بلائے گئے۔ وہ اس سفر کا مقصد اسلامی انقلاب کے اثرات دیکھنا بیان کرتے ہیں۔ دوسری دفعہ وہ ۲۰۰۸ء میں آرسی ڈی کی طرف سے کتابوں کی بین الاقوامی نمائش کے لیے ایران بلائے گئے۔ ان کے سفرنامے پھر ایران کو چلیے کا زیادہ حصہ ان کے پہلے سفر کی روداد پر مشتمل ہے۔

ظہور احمد اعوان (۱۹۴۲ء-۲۰۱۱ء) کو اکتوبر ۱۹۹۹ء میں امام خمینی کی سوویں سال گرہ پر ایران آنے کی دعوت دی گئی۔ انھوں نے انقلاب کے دیس میں کے عنوان سے سفرنامہ لکھا۔ اس میں وہ کانفرنس کی جزئیات وتفصیلات کی رپورٹ پیش کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ اپنے سفر سے متعلق اپنے مشاہدات وتاثرات بیان کرتے ہیں۔

صفدر ہمدانی (پ:۱۹۵۰ء) جو انگلستان کے رہنے والے ہیں، جولائی ۲۰۰۴ء میں ایران آئے۔ ان کے مطابق ان کے ایران آنے کے دو مقاصد تھے: زیارت اور اپنا شوق پورا کرنا۔ ان کے اجداد ایران سے ہجرت کر کے گئے تھے اس لیے ان کو ایران دیکھنے کی خواہش تھی۔ وہ جہاں جہاں سیر کو گئے ان مقامات کے حوالے سے زیادہ تر جغرافیائی، فن تعمیر اور پس منظر کی معلومات بہم پہنچاتے ہیں۔ اپنے ایران کے سفرنامہ تہران ہو گر عالم مشرق کا جنیوا میں لکھتے ہیں:

> میں کسی سیاسی بحث میں پڑے بغیر یہ سوچ رہا ہوں کہ جس ایران کو میں صرف کوئی تیس فی صد دیکھ کر آیا ہوں یہ وہ ایران تو نہیں جو ہمیں عالمی یا مغربی ذرائع ابلاغ میں دکھائی یا سنائی دیتا ہے۔ ہاں اگر اس ایران کو عراق کے ساتھ طویل جنگ میں نہ الجھایا جاتا اور اب حال ہی میں ایک بار پھر اسے جوہری تنازعے میں الجھا کر ملکی ہمہ جہت ترقی سے دور نہ رکھا جا رہا ہوتا تو کوئی اغلب نہیں کہ ایک فلسفی شاعر کی یہ پیش گوئی سچ ہی ثابت ہو جاتی اور ایران عالم اسلام کے ایک قلعے کی طرح دیگر اسلامی ممالک کے ساتھ مل کر اسلام کا یا مسلمانوں کا ایک بااثر عالمی بلاک تحقیق کر چکا ہوتا[۸]۔

الطاف شیخ (پ: ۱۹۴۴ء) ۲۰۰۷ء میں سیاحت کے لیے ایران آئے۔ وہ نیول انجینئر ہونے کی حیثیت سے بہت سے ممالک کا سفر کر چکے ہیں۔ تاریخی مقامات کی تصویر کشی کے ساتھ ساتھ ان سے متعلق پوری معلومات تفصیل سے اپنے سفرنامے ایران کے دن میں بیان کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

> میں ایران کا یہ سفر صرف مذہبی یادگاروں کو دیکھنے کے لیے نہیں بلکہ ادبی، سیاسی، معاشرتی اور سوشل مقامات، پارک، تھیٹر اور ان سے تعلق رکھنے والے افراد سے ملنے کے ارادے سے کر رہا تھا تاکہ میں اپنے اس پڑوسی ملک کے بارے میں بھی ایک عدد سفرنامہ لکھ سکوں[9]۔

انوار احمد بگوی (سن ندارد) ریٹائرمنٹ کے بعد فارسی زبان اور ایران کی تہذیب و تاریخ سے لگاؤ کی وجہ سے نومبر ۲۰۰۷ء میں اپنے خاندان کے ساتھ ایران آئے۔ ان کو یہ جاننا تھا کہ انقلاب کے بعد ایران میں سیاسی، مذہبی اور تہذیبی صورت حال میں کیا کیا تبدیلیاں ہو چکی ہیں، وہ اسی کھوج میں ایران آئے۔

بلقیس ریاض (پ: ۱۹۴۳ء) اپنے میاں کے ساتھ، جو ایک جج ہیں اور سرکاری دورے پر ایران آرہے تھے، ایران تشریف لائیں۔ ان کو پی آئی اے (لاہور۔مشہد فلائٹ) کی افتتاحی تقریب میں شرکت کی دعوت ملی۔ بلقیس ریاض کے سفرنامے عمر خیام کے دیس میں میں تاریخ کا ذکر نہیں ہے۔ سفرنامہ نگار سے راقمہ کی بات ہوئی، انھوں نے اپنی یادداشت کے بل بوتے پر اپنے سفر کا سال ۲۰۰۸ء اندازاً بتایا ہے۔ بلقیس ریاض خود ایک ادیبہ ہیں۔ یوں ان کو معاشرتی اور سیاسی مسائل کا سراغ لینے کا موقع ملا۔ ان کے اسلوب میں طنزیہ لہجہ ملتا ہے اور ''مصنفہ کسی ملک کی سیر کرتی اور قاری کو سیر کرواتے ہوئے وہاں کی اہم شخصیات کے کارہائے نمایاں اور خدمات کا بھی ذکر کرتی ہیں۔ اسی طرح وہ ملک اور اس سے تعلق رکھنے والے اہم اشخاص دونوں ایک دوسرے کے حوالے سے نمایاں ہوتے ہیں[10]۔''

نگار سجاد ظہیر (پ: ۱۹۵۴ء) تاریخ کی استاد ہیں اور اگست ۲۰۱۳ء میں ایران آئیں۔ انھوں نے ماہرِ تاریخ کی حیثیت سے ایران پر تاریخی نگاہ ڈالی ہے اور ہر مقام سے متعلق پچھلی صدیوں کی کہانیاں بیان کرتی ہیں۔ ان کا سفرنامہ اذن سفر دیا تھا کیوں سفرنامے کی ادبی خصوصیات کے علاوہ تاریخی حیثیت بھی رکھتا ہے۔

زبیر شفیع غوری (پ: ۱۹۶۰ء) مارچ ۲۰۱۴ء میں ای سی او (Economic Cooperation Organization) کانفرنس کے لیے پاکستان کے ریلوے اسٹیشن کے نمائندے کے طور پر ایران آئے۔ غوری کے سفرنامہ نیرنگ ایران میں قیمتی معلومات

اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ انھوں نے ایران کے حوالے سے اہم مآخذ کا مطالعہ کیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ تاریخی و مذہبی مسائل پر اختلافات کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔ وہ تاریخی و مذہبی مقامات اور شہروں کے تاریخی پس منظر سے بھی روشناس کراتے ہیں مگر سب سے زیادہ ان کو مزارات دیکھنے کا شوق ہے۔ وہ مزار کی تلاش میں نکلتے ہیں اور صاحبِ مزار کے سوانحی حالات اور تاریخی معلومات فراہم کرتے ہیں۔

ادبی تنظیم ''کاروان حوّا'' کی مدیر بشریٰ فرخ (پ:۱۹۵۷ء) پشاور میں ایرانی ثقافتی مرکز کے وسیلے سے ۲۰۱۴ء میں بین الاقوامی کانفرنس ''زنان و بیداریِ اسلامی'' میں شرکت کے لیے ایران آئیں۔ وہ اپنے سفر کی روداد، خاص طور پر کانفرنس کے واقعات وتقریرات کو اپنے سفرنامے خمینی کے ایران میں میں عمدگی سے بیان کرتی ہیں۔

مشرف مبشر (پ:۱۹۴۲ء) ''کاروان حوا'' کی رکن ہیں۔ وہ اس تنظیم کی اراکین کے ساتھ بین الاقوامی کانفرنس ''وحدت اسلامی، اتحاد بین المذاہب'' میں شرکت کرنے کے لیے دسمبر ۲۰۱۶ء میں ایران آئیں۔ کانفرنس کی روداد، آنکھوں دیکھے مناظر اور مقامات سے متعلق معلومات اپنے سفرنامہ بوستان ایران میں قلم بند کیے۔ مشرف مبشر جمال پسند ادیبہ ہیں۔ ان کا یہی رجحان ان کے سفرنامے میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ جہاں جاتی ہیں، وہاں کا حسن دیکھتی ہیں اور شاعرانہ لہجے میں اس حسن کی تصویر کشی کرتی ہیں۔ ان کے سفرنامے میں ایک نرالی بات یہ ہے کہ وہ برصغیر اور ایران کے پرانے تعلقات کی طرف جا بہ جا اشارہ کرتی ہیں۔

زاہد منیر عامر (پ:۱۹۶۶ء) آر سی ڈی کی طرف سے بین الاقوامی کانفرنس ''اقبال لاہوری'' کے لیے ۲۰۱۶ء میں ایران آئے۔ ان کا سفرنامہ قسط وار روزنامہ نئی بات اور ماہ نامہ الحمرا، لاہور میں چھپتا رہا۔ زاہد منیر تہذیبی اور تعلیمی مسائل پر توجہ کرتے ہیں۔ وہ اپنے قسط وار سفرنامے میں اپنے ایران کے پہلے سفر کا ذکر بھی کرتے ہیں جو اس سفر سے بیس سال پہلے وہ کر چکے تھے۔

احسان علی دانش (پ:۱۹۶۸ء) ۲۰۱۴ء میں ''ہشتمین ہمایش بین المللی امام خمینی و سیاست خارجی'' میں شرکت کے لیے ایران بلائے گئے۔ وہ پہلے بھی ایران کا سفر کر چکے تھے اور ان کے ایران کے دو سفرنامے بھی چھپ چکے ہیں، امام خمینی کی 25ویں برسی میں ان کے آخری سفرنامے کی روداد ہے۔ ان کے اس سفرنامے کا بڑا حصہ کانفرنس کی تفصیل اور ایران میں اپنے ہم وطنوں سے ملاقات کے تذکروں پر مشتمل ہے۔ ان کی تحریر ڈائری اور رپورٹ سے زیادہ مماثلت رکھتی ہے، اس میں کہیں کہیں ایران کی تہذیب کی جھلکیاں دھندلی دھندلی نظر آجاتی ہیں۔

تہذیب کی جھلکیاں

ایران کا تعلیمی و علمی سفر ہو خواہ ادبی، تجارتی، سیاسی، جنگی، مہماتی یا تفریحی سفر، ہر ایک میں تہذیب کی طرف توجہ دی گئی ہے کیوں کہ انسان کو دوسری قوموں کی روایات و رسومات کی پہچان میں ہمیشہ دل چسپی رہی ہے۔ اس تجسس کی جھلکیاں ہر سفرنامے میں نظر آتی ہیں۔ یہ بات ذہن نشین رہنا ضروری ہے کہ سفرنامے کا انحصار زمان و مکان پر ہے اوراس میں تہذیب و ثقافت کی جو نشان دہی ہوتی ہے، اس تہذیب سے متعلق سارے متعلقات کی اسی زمان و مکان میں جانچ پڑتال کرنی چاہیے۔ مسافر بھی اپنی کیفیت کو اسی زمان ومکان کے تقاضے اور صورت حال کے مطابق بیان کرتا ہے۔ پاکستانی سیاحوں میں سے کئی ایسے ہیں جو طویل قیام کی وجہ سے یا ایران و فارسی سے تعلقات کی بنا پر ایران کے رسومات و روایات کو خوب دیکھ پائے ہیں کیوں کہ کسی قوم کی اصل تہذیب اور رہن سہن پہچاننے کے لیے ان کو قریب سے جاننا ضروری ہوتا ہے۔ گھروں میں جانا اور افراد خانہ کا آپس میں ملنے جلنے کا ڈھنگ دیکھنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ شناخت دور کھڑے ہو کر دیکھنے سے حاصل نہیں ہوتی، اس لیے اکثر سفرنامہ نگاروں نے جو منظر ان کی آنکھوں سے گزرا ہے، اسی سے تہذیب پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ کچھ ایسے سفرنامہ نگار بھی ہیں جو اس شناخت کو بہ خوبی اپنی گرفت میں لیتے ہیں۔ یہاں آنکھوں دیکھی تہذیب اور اس کے ضمن میں پیدا شدہ تاثرات کو سفرناموں میں تلاش کر کے ان کا تجزیہ کرتے ہوئے پیش کیا جارہا ہے۔

صفائی

دوسری قوم کی تہذیب کی کوئی جھلک، اجنبی کو تین وجوہات کی بنا پر اپنی طرف کھینچتی ہے: جب وہ جھلک اس مسافر کے تہذیبی معیارات سے بالکل الٹ ہو، جب وہ اس مسافر کی تہذیب کے مماثل ہو یا جب اس جھلک میں بالکل نیا پن دکھائی دے۔ جب پاکستانی مصنفین کے ایران کے اردو سفرناموں کا مطالعہ کیا جاتا ہے، اکثر میں ایرانی تہذیب کی ستائش ملتی ہے۔ اس کی اہم وجہ شاید مذہبی اور قومی تہذیب کے اشتراکات ہیں۔ ہر سفرنامے میں ''صفائی''، ''سگھڑپن'' ایسی خصوصیات ہیں جو ہمیشہ توجہ کا مرکز رہی ہیں۔ چالیس سال پہلے کا سفرنامہ ہو یا حالیہ برسوں میں لکھا ہوا کوئی سفرنامہ، اس عادت کی تعریف وتوصیف میں اکثر پاکستانی سیاحوں نے مختلف انداز میں خوب خامہ فرسائی کی ہے اور لگتا ہے کہ اس رہن سہن پر ان کی طبیعت مچل اٹھتی ہے۔ ظہور اعوان چھوٹے سے جملے میں اپنے پرزور تاثر کا نقشہ کھینچتے ہیں: ''ایرانیوں کی صفائی پر اب ایمان لانا ہی پڑا [۱۱]۔''

افضل علوی جنھوں نے اپنے سفرنامے میں ایرانیوں کی تہذیب کو جا بہ جا کڑی تنقید کا نشانہ بنایا ہے، وہ ایران کے بہت سے شہروں کا سفر کرتے ہوئے ایرانی تہذیب میں سلیقہ مندی کو ایک اہم رجحان کے طور پر قبول کرتے ہیں۔

تمام شہروں سے جن کا ذکر یہاں کیا گیا ہے، گزرنے اور اردگرد کی عمارتیں اور مکانات دیکھنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ کوئی سلیقہ اور گھر سجانے کا فن ایرانیوں سے سیکھے۔ شہری لوگ تو خیر رہے سہنے میں نستعلیق ہوتے ہی ہیں، ایران کے تو دیہاتی بھی گھر (چھوٹا ہی سہی) کو سجانے اور دل نواز و جنت نگاہ بنانے کا ذوق رکھتے ہیں[۱۲]۔

بگوی اور دانش بھی صفائی ستھرائی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ان کے لہجے میں خطابت پوشیدہ نظر آتی ہے۔ لگتا ہے وہ کوئی پیغام دے رہے ہیں۔ ایسے میں شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء-۱۹۱۴ء) کا لب و لہجہ سفرنامہ مصر و روم و شام سے یاد آتا ہے جو قسطنطنیہ سمیت دوسرے ممالک میں تعلیم و روشن خیالی کے چند پہلو نمونے کے لیے پیش کرتے تھے۔ یہاں بھی یہ دو سفرنامہ نگار صرف اظہار خیال نہیں کرتے بلکہ وہ لوگوں کو چونکانا چاہ رہے ہیں:

ایران میں آپ کو کوئی شخص تھوکتا، فارغ ہوتا یا چلتے پھرتے کھاتا پیتا اور چھلکے پھیلاتا دکھائی نہیں دیتا[۱۳]۔

ایرانیوں کو اپنی اپنی ذمہ داری کا احساس ہے۔ یہ لوگ گھروں کو صاف کر کے کچرے کو سڑکوں پر نہیں پھینکتے۔ انھیں خبر ہے کہ سڑک بھی تو ہماری اپنی ہے۔ ۔ ۔ ایرانی اپنے خوبصورت شہروں کو اپنے ہاتھوں خراب یا گندا کرنا نہیں چاہتے۔ ۔ ۔ وہ ٹافی کھا کر ریپر اس وقت تک نہیں پھینکتے جب تک گندگی کے لیے ایستادہ ڈبہ نہ ملے[۱۴]۔

ایسا موقع کم ملتا ہے کہ دوران سفر، گھروں کی تہذیب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا جائے۔ ہر ملک میں تہذیب دو صورتوں میں روشناس ہوتی ہے: گھروں کے اندر اور گھروں سے باہر۔ ان دونوں کا جائزہ لے کر ہی تہذیب کو درست طریقے سے ضبطِ تحریر میں لایا جا سکتا ہے۔ اکثر سفرنامہ نگاروں نے باہر کی ثقافت اور سلوک مختلف زاویوں میں دیکھا ہے اور ہر منظر کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ ان میں کئی ایک کو گھروں کے ماحول میں تہذیبی زندگی کا انداز دیکھنا میسر ہوا اور وہ اپنے مشاہدات اور تاثرات کا بیان کرتے ہیں۔ زاہد منیر اپنے زاہدان (ایران کے صوبے سیستان و بلوچستان کا مرکزی شہر) کے سفر کو یاد کرتے ہوئے گھروں میں رہن سہن کا ایک گوشہ دکھاتے ہیں:

ہمیں ایران میں داخل ہوتے ہی ایرانی گھر دیکھنے اور ایک ایرانی خاندان سے ملنے کا موقع بھی مل گیا۔ ۔ ۔ اچھا خوب صورت گھر، صفائی ستھرائی کا خاص خیال، تمام گھر میں قالین بچھے ہوئے، رقبہ کم لیکن روشن کمرے[۱۵]۔

عادتیں اور برتاؤ

جہاں ہم پہلی دفعہ جاتے ہیں، وہاں کئی افراد ایک ہی عادت دہرا کے ملتے ہیں تو ہم اس عادت کو اس قوم کی شناخت کے طور پر قبول کر لیتے ہیں۔ ایرانی کہاوت ہے مشت نمونہ خروار است (کسی بھی چیز کا مٹھی بھر نمونہ کافی ہوتا ہے)، سفرناموں میں اس کا مصداق ملتا ہے۔ سفرنامہ نگاروں نے ایرانی لوگوں کا جو ظاہری برتاؤ دیکھا ہے، اس سے مختلف تاثرات لیے ہیں حال آں کہ آنکھیں ایک ہی منظر دیکھ پاتی ہیں۔ کبھی وہ مسبب دیکھ کر سبب کا اندازہ لگاتے ہیں؛ مثال کے طور پر افضل علوی ایران میں کثرت سے چائے پینے کے رواج کا ذکر کرتے ہیں۔ اس عادت کا ایسا تجزیہ کرتے کہ ''ایرانی لوگ چائے بہت پیتے ہیں اس لیے کہ وہ جلدی ہی تھک جاتے ہیں[۱۶]۔'' ان کے برعکس الطاف شیخ، ایرانی لوگوں کو ہمت والے اور فعّال سمجھتے ہیں کیوں کہ ایرانی لوگوں کو جلدی اٹھنے کی عادت ہے:

> ایران کی کئی اچھی باتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یورپ کی طرح یہاں بھی صبح سویرے دکانیں کھل جاتی ہیں۔ ۔ ۔ یہاں صبح سات بجے ہی خریداری کر لی جاتی ہے اور ہر شخص آٹھ بجے دفتر اور فیکٹری وغیرہ پہنچ جاتا ہے[۱۷]۔

ان دونوں کے مختلف خیالات، دو مختلف اسباب کی بنا پر تشکیل پائے ہیں۔ ایران میں چائے پینے کا رواج ہے، لوگ خود چائے کئی کئی بار پیتے ہیں اور مہمان کو بھی لازمی طور پر چائے پلاتے ہیں اور علمی طور پر یہ بات بھی مانی جاتی ہے کہ چائے کی پتی میں کیفین (caffeine) ہوتی ہے جس سے تھکاوٹ اتر جاتی ہے۔ افضل علوی نے ایرانیوں کی چائے کی عادت سے یہ تاثر لیا کہ یہ لوگ جلدی تھک جاتے ہیں۔ افضل علوی کے سفرنامے میں ایسے اظہارات بہ کثرت نظر آتے ہیں جو سنی سنائی باتوں سے ماخوذ ہیں یا وہ کسی غلط فہمی کا شکار ہوتے ہیں۔ ایک سفرنامہ نگار کو اپنے مشاہدات بیان کرنے چاہئیں۔ وہ اپنے مشاہدے کی تعبیر و توضیح کے لیے سنی سنائی باتوں کو اپنے بیان میں شامل کر سکتا ہے، مگر اس سے غلط نتیجہ بھی نکل سکتا ہے۔ لہٰذا تہذیب کا راز جاننے کے لیے اس سے متعلقہ عادتوں، روایتوں اور تاریخی پس منظر کی جان کاری ہونی چاہیے۔ علوی کا یہ خیال دیکھیے:

> بعض اوقات بقول راویان، ایرانی روٹی زمین پر رکھ کر اس پر بیٹھ بھی جاتے ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ اس میں کچھ مبالغہ بھی ہو کیوں کہ ہماری گناہ گار آنکھوں کو یہ دلکش منظر دیکھنا نصیب نہیں ہوا لیکن کسی چیز کا نہ دیکھنا اس کے عدم وجود پر بھی تو دال نہیں ہوسکتا[۱۸]۔

انھوں نے اس منظر کونہیں دیکھا، اس کے باوجود اپنے طنزیہ لہجے میں اس تہذیب کی جھلک کو، جو مسلمانوں کی تہذیب سے دور ہے، تسلیم کرتے ہیں۔ ان کی تعبیر یہ سوال کھڑا کرتی ہے کہ یہ ''راویان'' کون ہیں؟ کیا انھوں نے نہیں سوچا کہ نتائج اخذ کرنے کا یہ طریقہ غیر مناسب ہے اور غیر اسلامی بھی۔ اسلام راویان کے بارے میں احتیاط کا درس دیتا ہے۔ ایسا سلوک اسلامی تہذیب سے تضاد رکھتا ہے۔ افضل علوی کا ایران میں سفر اسلامی انقلاب سے پہلے اور بعد کا احاطہ کرتا ہے۔ اگر ان کی یہ رائے انقلاب سے پہلے سے بھی متعلق ہو پھر بھی ایرانی لوگوں کی اکثریت کا مذہب اسلام ہے اور یہ وہی لوگ ہیں کہ اسلامی سوچ، اسلامی تہذیب اور اسلامی رویے کی بنیاد پر امام خمینی کی انقلاب کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں۔

سید علی اکبر رضوی اس قوم کی خوش اخلاقی اور کشادہ پیشانی سے پیش آنے کی خبر دیتے ہوئے چائے پینے سے بڑھ کر چائے پلانے کو ایک اچھی عادت کے طور پر متعارف کراتے اور اس کو تہذیب کے حوالے سے روشناس کراتے ہیں:

> ایرانی یوں بھی خصوصاً اپنی خوش گفتاری اور خوش اخلاقی کے لیے مشہور ہیں۔ ان کی زبان پر ہمہ وقت چشم، خیلی ممنون، تشکر، جان من، دلم من، سلامت، خوش آمدید، چشم ما روشن اور دل ما شاد وغیرہ وغیرہ جیسے الفاظ رہتے ہیں۔ خاطر مدارات میں بھی پیش پیش رہتے ہیں۔ جس دکان میں جائیں یا جس دفتر میں داخل ہوں، فنجان میں چائے پیش ہوگی۔ یہ روزمرہ کا دستور ہے[۱۹]۔

اس اظہار خیال کو سامنے رکھیں تو تہذیب کے ایک ڈھنگ پر روشنی ڈالی جاسکتی ہے کہ ایرانی لوگ چائے پینے کے عادی ہیں اور چائے پلانے کا اس قوم کے ہاں بہ طور خاطر تواضع رواج ہے۔ ان سفرناموں کے جائزے سے پاکستانی اور ایرانی قوموں میں رہن سہن کے دو مختلف رویّے سامنے آتے ہیں۔ مثلاً زبیر شفیع غوری تبریز (ایران کے صوبے مشرقی آذربائجان کا مرکزی شہر) کے ریلوے سٹیشن کے ریسٹ ہاؤس کے بارے میں حیرت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> دو منزلہ عمارت کی اوپری منزل پر جوتے اتارکر باہر بنے ہوئے ڈبوں میں رکھنے پڑے۔ ہمیں اس طرح کی عادت نہیں، سو یہ بات عجیب لگی۔ اندر داخل ہوئے تو حقیقت حال واضح ہوئی۔ تمام کمرے خوبصورت ایرانی قالینوں سے مزین تھے۔ مٹی سے لتھڑے جوتے ان پر رکھنا واقعی کور ذوقی تھی[۲۰]۔

غوری نے گھر سے باہر جوتے اتارنے کی وجہ بھی پرکھی ہے اور اس عادت کی جڑ کو پکڑلیا ہے کہ گھروں کے اندر قالین بچھانے کا رواج ہے، اس لیے باہر کا استعمال شدہ جوتا گھر کے اندر نہیں لے جایا جاتا۔ یہی ہے سفرنامے کی خوبی، سفرنامہ نگار واقعہ یا منظر کا بیان کرتے ہوئے تاثر بھی نمایاں کرتا ہے اور اس سے متعلقہ پس منظر اور پیش منظر پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ بگوی بھی اسی بات کی نشان دہی کرتے ہوئے تصویر کشی کے ساتھ ساتھ خوب صورت انداز میں اپنی رائے درج کرتے ہیں:

> گھر کے تمام افراد بچے اور بڑے اور مہمان سب گھر میں داخل ہونے سے پہلے جوتے اتارتے اور کمرے سے باہر راہ داری میں ترتیب سے رکھ دیتے ہیں۔ گھر کو گویا ہماری مسجد جیسا احترام اور پاکیزگی حاصل ہے۔۔۔غسل خانے کے لیے الگ جوتا ہے جو اس کے اندر ہی موجود رہتا ہے[۲۱]۔

خور و نوش

کھانا پینا، انسان کی ضروریات میں شامل ہے۔ضرورت کے علاوہ، زندگی کی کشش کا ایک اہم عنصر خور و نوش ہے۔ ہر شخص اس بات کا اقرار کرے گا کہ اسے جہاں سفر کرنا ہو وہ پہلے وہاں کے مروجہ کھانوں کے بارے میں کھوج لگاتا ہے۔ ہر ملک اور ہر قوم کے الگ الگ مزاج ہیں۔مزاج کی نوعیت پر خطے کے موسموں اور جغرافیائی صورت حال کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ اس لیے خورونوش کا سراغ لگانا، قوم کی شناخت حاصل کرنے میں مددگار ثابت ہوسکتا ہے۔''انسان کو ذائقہ اور خوشبو سے رغبت شروع ہوتی ہے۔ باربار ذائقوں کی تبدیلی کے باوجود بھی نئے ذائقے اور نئے خوشبو کی تلاش جاری رہتی ہے[۲۲]۔'' ہر سفرنامے میں اس بات کی طرف خوب توجہ مرکوز کی گئی ہے اور ہر سفرنامے میں کھانے پینے کے معیارات کے بارے میں اچھی خاصی معلومات درج کی گئی ہے۔ اردو میں ایران پر لکھے گئے سفرناموں میں ''روٹی''، ''چلو کباب''، ''پھیکا کھانا'' اور ''دودھ کے بغیر چائے'' (یعنی قہوہ) کے بارے میں گھما گھما کر باتیں سامنے آتی ہیں اور ان باتوں میں اکثر تلخی کا لہجہ پیدا ہوتا ہے۔ سید اسعد گیلانی اس تلخی میں مٹھاس ملا کر ملائمت کے ساتھ ایرانی اور پاکستانی کھانے میں ذائقے کا فرق واضح کرتے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ وہ خود کو ایرانی لوگوں کا احسان مند سمجھ کر ان کو دل برداشتہ کرنا نہیں چاہ رہے ہیں:

> ایران میں عام کھانا ہو یا خصوصی دعوت ہو۔ خدا کا شکر ہے کہ سادگی اور غذائیت برقرار رہتی ہے۔ کھانا اتنا سادہ اور بے رنگ و روغن ہوتا ہے کہ فی الحقیقت پرہیزی کھانا معلوم ہوتا ہےاور اگر پاکستانی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو بے نمک اور بدمزہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ سارا زور سلاد کی مختلف انواع و اقسام پر ہوتا ہے۔ یوں تو غذائیت سے بھرپور ہوتا ہے اور شاید ہی کوئی طبیب یا ڈاکٹر اس کھانے میں سے طبی نقطۂ نظر سے کوئی نقص نکال سکے لیکن جو لوگ چٹخاروں کے عادی ہوتے ہیں ان کے لیے یہ کھانا روکھا پھیکا کھانا ہوتا ہے اور اس میں کسی سطح پر بھی کوئی بڑا فرق نہیں ہوتا[۲۳]۔

''چلو کباب'' (کباب اور چاول) ایران کا روایتی کھانا ہے۔ کباب کی مختلف قسمیں ہیں جو سبھی سیخ پر بنتی ہیں۔ یہ اکثر باہر ہوٹلوں میں پکے ہوتے ہیں کیوں کہ انھیں بنانے کے لیے مہارت کی ضرورت ہے۔ جب گھر میں، کانفرسوں اور مختلف

تقریبات میں مہمانوں کی بہترین تواضع کی جاتی ہو ان کو ''کباب'' کھلایا جاتا ہے۔ایران میں ہر میزبان کی یہی خواہش ہے کہ یہی کھانا کھلانے سے اچھا میزبان ثابت ہو جائے۔ وہ اس بات کو بھول جاتا ہے کہ ہر میزبان ایسا سوچے گا تو مہمان کے مزاج کا کیا ہوگا! افضل علوی اور نگار سجاد ظہیر اپنا شکوہ کھل کر بیان کرتے ہیں:

ایک ہم تھے کہ یہ چلو کباب کھا کھا کر عاجز ہو گئے تھے [۲۴]۔

چلو کباب، یہ ایرانیوں کی وہ بنیادی غذا ہے جس نے بیس دن ہمارا پیچھا نہ چھوڑا [۲۵]۔

البتہ کہیں کہیں اس کھانے کی خوش ذائقگی کی تعریف بھی ملتی ہے۔ الطاف شیخ جنھوں نے بہت سے ممالک کا سفر کیا ہے اور ان کے بارے میں سفرنامے بھی لکھے ہیں، ان کی تحریر سے پتا چلتا ہے کہ چلو کباب کا چرچا ایران سے باہر پوری دنیا میں پھیل گیا ہے اور اس غذا کا ذائقہ ان کو ٹھیک لگتا ہے۔ شاید انھوں نے بار بار یہ کھانا کھایا ہوتا تو اکتاہٹ کی کیفیت پیدا ہوتی:

چلو کباب ایران کی ایک عام ڈش ہے۔ ایران سے باہر، یورپ سے امریکا تک جہاں بھی ایرانی ہوٹل ہیں وہاں کی سب سے زیادہ پسندیدہ ڈش چلو کباب ہے۔ ۔ ۔لیکن دوستو! ایران کے چلو کباب کے ذائقے کی بات ہی کچھ اور ہے [۲۶]۔

افضل علوی کو کھانا پینا کچھ نہیں بھاتا، وہ غذا کے حوالے سے سراسر گلہ کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کا کہنا بالکل ٹھیک ہے کہ ایرانی لوگوں کو کھٹائی پسند ہے، وہ اپنے ملک سے قیاس کرنے کے ساتھ ساتھ ایسا اظہار کرتے ہیں: ''ہم پاکستانی جتنے میٹھے اور شیرینی کے مشتاق ہیں، ایرانی اتنے ہی کھٹائی کے دل دادہ ۔ ۔ ۔توبہ توبہ، کچھ نہ پوچھیے کہ یہ لوگ کس قدر کھٹائی پسند ہیں۔'' ان کے اس تلخ تجربے سے لگ رہا ہے کہ انھوں نے ایرانی کھانوں کو خوب چکھا ہوگا۔ یہی ہے مکمل سفر کا تقاضا کہ مسافر کو بہت کچھ برداشت کرنا بھی پڑے گا، وہ اپنے مزاج اور اپنی عادت کے دائرے سے باہر ہر چیز سے انسیت پیدا کرے۔ وہ تصور اور حقیقت کے بیچ میں دیوار کو توڑ دے۔ جیسے افضل علوی، سفرنامہ دیکھ لیا ایران میں ''سوپ فرنگی'' جس سے ایران میں ایک قسم کا سوپ بنتا ہے کو سویاں کہہ دیتے ہیں اور ان دونوں سے جو الگ الگ ذائقوں میں کھانے بنتے ہیں ان کا قیاس کرتے ہیں:

البتہ خوراک کے معاملے میں ایرانیوں کی ایک بد ذوقی بہت کھلتی تھی اور وہ یہ تھی ان کا سویوں کو نمکین صورت میں کھانا۔ایرانی سویوں کو نمکین تیار کرتے ہیں اور اکثر اوقات، سوپ ہی میں ڈالی ہوتی تھیں۔ از قسم حلوہ، زردہ، فیرنی، کھیر وغیرہ کا استعمال ہمیں نظر نہیں آیا اور اس معاملے میں ایرانی مجھے خاصے بد ذوق معلوم ہوئے [۲۷]۔

علوی اپنے مشاہدے اور تاثر کا بیان کرتے ہیں۔ ان کے تاثر اور مشاہدے کو باہم آمیز کرنے میں ایک کمی رہ جاتی ہے اور وہ یہ کہ انھوں نے دوسری تہذیب کی عادات، رواج، ذائقے اور پسند و ناپسند کو اس میں جگہ نہیں دی ہے۔

روٹی ایران و پاکستان میں اصلی کھانوں میں شامل ہے۔ ان دونوں ممالک میں روٹی کیسی ملتی ہے اور ذائقے میں کتنا فرق ہے،ظہور اعوان کے بیان سے واضح طور پر سامنے آتا ہے:''ہوٹل کی ایرانی روٹیاں پتہ نہیں کس اناج سے بنی ہوتی ہیں۔ پتلی، خشک، بدمزہ، ٹھنڈی اور ناقابل خوراک، ایرانیوں نے انھیں ٹھنڈا کرنے یا رکھنے کی قسم کھا رکھی ہے[۲۸]۔'' چناں چہ دیکھتے ہیں،ظہور اعوان ایران کے سفر میں روٹی کے بارے میں بےزاری کا طنزیہ لہجے میں اظہار کرتے ہیں حال آں کہ وہ اپنے سفرنامے انقلاب کے دیس میں میں باربار ایران کی تہذیب کی دوسری نشانیوں کو داد وتحسین دیتے نظر آتے ہیں۔ بلقیس ریاض بھی ٹھنڈی روٹی کھانے سے تنگ آئی ہوئی ہیں:''برف تھیں ۔ ۔ ۔ اتنے ٹھنڈے نان ۔ ۔ ۔[۲۹]'' رضوی کہتے ہیں،''ایرانی ہمیشہ باسی اور ٹھنڈی روٹی کھاتے ہیں جو ہم کو بالکل نہیں بھاتیں لیکن ان کا ڈھنگ ہے[۳۰]۔'' انھی بیانات سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ ایران میں''روٹی''، تندور سے نکلتے ہی گرم ہوتی ہے پھر ٹھنڈی ہی ٹھنڈی ملتی ہے۔ ایران میں تندور کی گرما گرم روٹی ہر کسی کو بھاتی ہے مگر اس لیے کہ شہروں میں روٹی گھر میں نہیں بنتی اور''نانوائی'' سے بنی ہوئی لینا پڑتی ہے اور اس الجھاؤ سے بچنے کے لیے کہ باربار اس کے لیے باہر جانا نہ پڑے، بڑی تعداد میں روٹیاں لی جاتی ہیں۔تندور سے اتر کر تازہ گرم روٹی کھانے کا موقع چند دن کے بعد ایک دفعہ ملتا ہے، پھر باقی روٹی فریج میں رکھ کر بعد میں ضرورت کے مطابق نکال کر کھاتے ہیں۔ اسی بنا پر یہ بڑا فرق ایرانی اور پاکستانی روٹی کے ذائقے میں نظر آتا ہے۔گرم یا ٹھنڈی ہونے کے علاوہ بھی وہ چیز جو گھر میں بنتی ہے اس پر کون انگلی اٹھاسکتا ہے !

بشریٰ فرخ کے لیے ایرانی خورونوش میں دو چیزیں بہت نمایاں ہیں: ٹماٹر اور دوسرے روٹی۔ روٹی کے حوالے سے وہ بھی گلہ مند ہوکر کہتی ہیں:

> ایرانی کھانوں میں دوچیزیں میں نے نوٹ کیں کہ ایک تو یہ لوگ ٹماٹر کا استعمال بہت کرتے ہیں اور دوسری چیز ایرانی روٹی جو پتہ نہیں کس طرح کے تندور میں تیار کی جاتی ہے۔سوکھی، پتلی، خشک اور بدمزہ روٹی۔ پتہ نہیں کس اناج سے بنتی ہے یہ روٹی جس کا ایک نوالہ بھی کھانا مشکل ہوتا ہے۔ شاید اس لیے ایران میں چاول کھانے کا رواج بہت ہے[۳۱]۔

بشریٰ فرخ کے خیال میں روٹی کی بدمزگی کی وجہ یہ ہوگی کہ ایران میں چاول کھانے کا رواج ہے، اس لیے روٹی کا ذائقہ زیادہ اہمیت کا حامل نہیں ہے۔ ان کی اس بات کو درست مان لینے کی گنجائش موجود ہے کیوں کہ ایران میں چاول کھانے کی روایت روٹی کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ شاید اس لیے روٹی کے سلسلے میں ''سرد مہری'' ملتی ہے ۔راقمہ کا یہ خیال ہے کہ سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ ایران میں گھر میں روٹی بننے کا رواج نہیں ہے اور بازار سے روٹی ٹھنڈی ہی گھر پہنچے گی۔ زاہد منیر عامر بھی اپنے سفر کی یاد قلم بند کرتے ہوئے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ روٹی بازار سے لائی جاتی ہے۔ وہ اپنے زاہدان کے سفر کے بارے میں لکھتے ہیں:

> اس روز سیدنا امام حسین کا چہلم تھا اور مارکیٹیں بند، سڑکوں پر زیادہ رونق نہ تھی صرف روٹی لینے والوں کا ہجوم تھا۔ کدالی صاحب نے بتایا کہ یہاں روٹی گھروں میں نہیں پکائی جاتی بلکہ بازار سے لائی جاتی ہے اور روٹی کی کئی اقسام ہیں: مثلاً نان سنگک، نان بربری، نان لواش، نان تافتان [۳۲]۔

یہاں ''روٹی'' کی مثال سامنے رکھ کر ایک بات کی نشان دہی کرنا ضروری ہے کہ مختلف سفرناموں میں ایک بات کو نکالیں اور اس کے بارے میں مختلف آرا سامنے رکھیں تو اس بات پر بڑے پیانے پر معلومات ملتی ہیں اور جیسا کہ دیکھا گیا، عام طور پر ان سفرناموں میں تاثرات ایک جیسے ہوتے ہیں۔ خاص طور پر تہذیب کی کسی روایت پر اظہار خیال ہوتو ایک ہی قوم پر ملتے جلتے جذبات اور بیانات ملتے ہیں کیوں کہ کسی دوسری قوم کی تہذیب کو ہم اپنی تہذیب کے معیارات اور روایات کی روشنی میں جانچنے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں۔

پاکستانی سفرناموں میں ایرانی خورونوش کے حوالے سے'' مرچ'' کے بغیر کھانے کو تنقید بلکہ مذمت کا نشانہ بنایا گیا ہے اور یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیے کہ یہ کڑواہٹ صرف اس لیے پیدا ہوتی ہے کہ اس طرح کا کھانا، ان کے مزاج کو خوش گوار نہیں لگتا ہے جس طرح ایرانی لوگوں کے لیے مرچ والا کھانا:

> ایرانیوں کے کھانے سرخ مرچ اور گرم مسالے سے خالی ہوتے ہیں۔ ہم اہل پاکستان اس قسم کے پھیکے کھانوں کے متحمل نہیں ہوسکتے [۳۳]۔

احسان علی دانش مرچ سے خالی کھانے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے افضل علوی کی طرح ایرانی کھانوں میں کھٹائی کے ذائقہ کی خبر دیتے ہیں۔ ان حضرات کے نزدیک ایران میں ذائقہ کھٹائی کی طرف مائل ہے:

> ایران کے کھانوں میں مصالحہ اور مرچ نام کی کوئی شے نہیں ہوتی ۔ ۔ ۔ ان کے کھانوں میں کھٹاس ہوتی ہے [۳۴]۔

ذائقے میں دوسرا فرق چائے کا ہوتا ہے جو ان سفرناموں میں نمایاں ہے۔ دودھ پتی کا کوئی نشان ایران میں ان کو نہیں ملتا ہے۔''قہوہ'' ایران میں بہ کثرت پیا جاتا ہے جس کو فارسی میں''چائے'' کہا جاتا ہے۔ یہیں سے یہ مشہور ہوتا ہے: ''پاکستانی چائے''اور''ایرانی چائے''! دودھ پتی نہ ملنے کی وجہ سے پاکستانی سفرنامہ نگاروں کی کڑ کڑاہٹ کی آواز بہ خوبی ان کے سفرناموں میں گونجتی سنی جاتی ہے:

> بڑے سخت چائے کی طلب ہو رہی تھی --- چائے کا آڈر دیا --- تو تھوڑی دیر میں ویٹر نے میز پر ایرانی چائے رکھ دی۔ ۔ ۔ مجھے بڑے کڑوی سی لگی تو --- ویٹر سے دودھ والی چائے مانگی، اس نے میرے چہرے کی جانب حیرانگی سے دیکھا ۔ ۔ ۔ وہ پھرتی سے دودھ دان اٹھالایا اور میرے کپ میں دودھ ڈال دیا --- میں نے گھونٹ بھرا تو نہایت ہی بدمزہ چائے تھی[۳۵]۔

ان سب کے سوا پھل ہیں جو ان سفرناموں میں من پسند سمجھے گئے ہیں۔ سفر نامہ نگار اکثر وہ پھل کھانا پسند کرتے جو ان کے ملک میں بھی پیدا ہوتے اور ملتے ہیں۔ تربوز ایسا پھل ہے کہ ان سفرناموں میں باربار اس کا ذکر ہوا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ہاں پسندیدہ ہے:

> ایران کے تربوز کی بھی کیا بات ہے! سرخ بہت ہی خوش نما اور پرلذت ہونے کے ساتھ ساتھ بہت ہی سستے۔ ویسے بھی ایران میں کھانے پینے کی ہر چیز سستی تھی[۳۶]۔

اب سوال یہ بھی سامنے آتا ہے کہ یہ ارزانی ایرانی باشندوں کو بھی لگتی ہے یا دو ملکوں کی کرنسی میں فرق ہونے کی وجہ سے ہے؟ یہاں اس مضمون کی تبصرہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے مگر یہ سفرنامے معاشیات پر بھی کافی معلومات افزا ہوتے ہیں۔ بعض سفرنامہ نگار، خورونوش کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ باریک بینی سے اس کی قیمتوں کے بارے میں بھی بتاتے ہیں۔

زعفران ایران کی مشہور سوغات ہے، ہر مسافر کو زعفران کی طلب ہوتی ہے۔ دیکھیے کہ ہمدانی کیسے اس قیمتی پودے کی اوّل اور دوسرے درجے کی قسموں کی نشان دہی کرتے ہیں، ایسے کہ ایرانیوں میں سے بھی کم لوگوں ہی کو اس کی خبر ہے:

> بازار میں بکنے والے عام زعفران کو تجارتی بنیادوں پر فروخت کرنے کی غرض سے مصنوعی طور پر مشینوں کے ذریعے خشک کیا جاتا ہے جب کہ اول درجے کے زغفران کو قدرتی دھوپ میں خشک کیا اور سکھایا جاتا ہے جس میں بہت زیادہ دیر لگنے کے ساتھ ساتھ محنت بھی صرف ہوتی ہے[۳۷]۔

خورونوش پر گہری نظر رکھنے کی دوسری مثال بگوی کے یہاں ملتی ہے۔ ان کا سفرنامہ، تفصیلی بیان اور جزئیات نگاری سے بھرپور ہے۔ بگوی کھانے پینے کی چیزوں کے ذائقے سے زیادہ، ان کی کیفیت اور معیار پر نظر رکھتے ہیں:

کوئی تیارشدہ چیز ایسی نظر نہیں آتی جس پر اجزائے ترکیبی، تاریخ ساخت اور تاریخ اختتام فارسی اور بعض انگریزی کے ساتھ درج نہ ہوں[۳۸]۔

فلم

ڈرامے اور فلمیں ہر قوم کی شناخت کے اہم ذرائع ہیں، اس لیے عام طور پر کسی زبان میں فلموں کی کہانی اس قوم کی حقیقی زندگی اور معاشرے کے مسائل اور الجھنوں پر مبنی ہوتی ہے۔ اس بنا پر ان میں قوم کی تہذیب کے مختلف پہلوؤں کا عکس ملتا ہے۔ طرز زندگی، مذہبی رجحانات، قومی کلچر، گھروں کی سجاوٹ، خاندانی رسومات، برائیوں اور اچھائیوں کے معیارات، اخلاقیات کی پرکھ، معاشیات، معاشرتی پابندیاں اور مسلمہ ثقافت، مختصر یہ کہ زندگی کے ہر پہلو کا عکس اور زاویہ فلموں میں ابھر کر سامنے آتا ہے۔ ایرانی فلمیں مذہبی آداب کے قوانین کے تحت بنتی ہیں: خواتین باحجاب ہوتی ہیں، اخلاقیات کا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔ ایران میں فلم انڈسٹری پاکستانی سفرنامہ نگاروں کو چونکا دیتی ہے۔ نہ جسم کی نمائش، نہ اخلاقی روایات پر کوئی سمجھوتا۔ سو وہ اس انڈسٹری کو سراہتے ہیں اور اس کو ترقی یافتہ قرار دیتے ہیں:

> ان کی فلمیں ڈرامے اور بصری فنون ہر قسم کی جنس فروش آلائش سے پاک و منزہ ہو چکے ہیں۔ ۔ ۔ ایرانی قوم علامہ اقبال کی پیش گوئی کے مطابق تہران کو عالم مشرق کا جنیوا بنانے میں سرگرم عمل ہے[۳۹]۔

ایرانی فلموں میں مرکزی خیال اور کہانی اتنی پختہ ہوتی ہے کہ بین الاقوامی سطح پر بھی ان کو انعام ملتا ہے اور اس خبر کی بازگشت بھی سفرناموں میں سنائی دیتی ہے:

> اب جو یہاں فلم، موسیقی اور فنون لطیفہ کی بات ہو رہی ہے تو اسی مقام پر یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ مغرب نے ایران کے بارے میں جو مسلسل پروپیگنڈہ کیا ہے اس میں ایک عنصر یہ بھی داخل کیا گیا ہے کہ ایران جیسے کوئی قرون وسطیٰ کا ملک ہے جہاں نہ تو کسی تفریح کی اجازت ہے اور نہ ہی وہاں کے لوگوں کو کوئی ایسے مواقع میسر ہیں۔ میرا اپنا نہایت آزادانہ اور غیر جانب دارانہ مشاہدہ یہ ہے کہ اگر تفریح اور بے حیائی کے درمیان واضح ایک لکیر کو معیار بنا لیا جائے تو بہت سے دوسرے شعبوں کی طرح مغرب کا یہ فرمودہ بھی محض پروپیگنڈہ ہی رہ جاتا ہے کیوں کہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے تہران میں متعدد سینماؤں میں لگی ہوئی فلمیں اور سڑکوں پر ان فلموں کے قدآدم پوسٹر دیکھے ہیں۔ ۔ ۔ ایران میں فقط فلم سازی ہی کے شعبے پر اگر بات کی جائے تو ابھی حال ہی میں ایران میں تیار ہونے والی کتنی ہی فلموں کو بین الاقوامی فلمی میلوں میں اعزازات ملے ہیں جو اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ ایران اس کرہ ارض پر موجود ممالک سے الگ کوئی ملک یا تہذیب نہیں ہے[۴۰]۔

زاہد منیر ٹرین کے ذریعے مشہد سے نیشاپور کا سفر کرتے ہوئے ٹرین میں سفر کی کچھ تمہیدات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

۔ ۔ ۔ اور سامنے لگی ٹیلی ویژن اسکرین میں جان پڑ گئی۔ بانی انقلاب کا پیغام، رہبر انقلاب کے اقوال، دیگر اخلاقی تعلیمات اور اس کے بعد بچوں کے لیے تیار کیے گئے کارٹون جو مغربی چینلز سے لے کر اندھا دھند ڈب نہیں کیے گئے بلکہ اپنی معاشرت کے مطابق خود تیار کیے گئے تھے[۱۴]۔

زاہد منیر کے کہے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایران میں بچوں کو اپنی تہذیب سے مزید مانوس کرانے اور اجنبی تہذیب کے اثر سے بچانے کے لیے کارٹون اور فلم کو اپنے کلچر کے مطابق ڈب کراتے ہیں۔ زاہد منیر اہم بات کی طرف توجہ مبذول کراتے ہیں جس کا اشارہ کیا گیا: یعنی فلم انڈسٹری قوم کی تہذیب کی ترجمان ہے اور یہی فلم انڈسٹری اپنی قوم کی تہذیب سے دوسری قوموں کو روشناس کراتے ہوئے ان کو اپنی تہذیب کی طرف مائل کر سکتی ہے۔ یہ بات بھی ناقابل انکار ہے کہ تہذیب کو محدود نہیں کیا جا سکتا۔ قوموں کے درمیان تہذیب کا لین دین فطری بات ہے مگر یہ لین دین دونوں تہذیبوں کی جزئیات کے مطابق ہو تب پسندیدہ ہوگا۔ اگر اس کے بغیر ہو تو ایک تہذیب دوسری کو مغلوب کر سکتی ہے۔ اس لیے اپنی تہذیب کا تحفظ ضروری ہے۔ یہ وہی تحفظ ہے جس کی طرف زاہد منیر نے مختصر اشارہ کیا ہے اور اس کی داد بھی دی ہے۔

حجاب

دنیا میں لباس، قوم کی شناخت کے لیے اہم ذریعہ ہے۔ جہاں بھی جائیں، وہاں کے باشندوں کے حلیے پر تجسس سے نظر ڈالتے ہیں۔ اسلامی دنیا میں اسے اور طرح دیکھا جاتا ہے اور مذہب کے تناظر سے پہناووں کو پرکھتے ہیں۔ ایران ایسا ملک ہے جو اسلامی انقلاب کے بعد دوسرے ممالک میں حجاب کے نقطۂ نظر سے تنقید کا نشانہ بن گیا ہے اور طرح طرح کی آرا اور خیالات پیش کیے جانے لگے ہیں۔ مغربی مفکروں نے ایرانی عورتوں پر ترس کھاتے ہوئے ان پر عائدشدہ حجاب کی پابندی کی مذمت کی ہے اور دنیا بھر میں اپنے یہ اعتراضات پھیلائے ہیں کہ ایرانی خواتین حجاب میں مقید ہو کر معاشرتی سرگرمیوں سے الگ ہو چکی ہیں۔ کوئی اجنبی ایران آتا ہے تو لوگوں کے حلیے پر توجہ دینے کے علاوہ خواتین کے پہناووں اور معاشرے میں ان کے مقام پر خوب نظر رکھتا ہے اور یہ جاننا چاہتا ہے کہ ان کے بارے میں سنی سنائی باتیں کس حد تک ٹھیک ہیں۔ تقریباً سبھی زیر مطالعہ سفرناموں میں ایرانی خواتین کا ایک منفرد پہلو ملتا ہے اور ان اکثر تبصروں میں وہ کھل کر ذرائع ابلاغ کے ذریعے پھیلی ہوئی خبروں پر انکار کی مہر لگاتا ہے۔ یہاں صرف اس کی چند مثالیں دی جا رہی ہیں۔

رضوی ایرانی خواتین میں حجاب اور معاشرتی سرگرمیوں میں کوئی تضاد نہیں پاتے ہیں، بلکہ الٹا وہ مثبت انداز میں اس کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہیں:

> جہاز بھی بہت آہستگی سے زمین بوس ہوا۔ راستے میں ہماری تواضع ہوئی جس کے لیے کچھ مرد حضرات اور کچھ مستورات پورے حجاب کے ساتھ میزبانی کررہی تھیں۔ گویا ایرانی حجاب خواتین کی کارکردگی میں کسی طرح حارج نہیں ہوتا۔خواہ وہ زمین پر ہوں یا فضائے بسیط میں۔ ہر جگہ محو کار رہتی ہیں۔ حجاب وعریانی کا خاتمہ تو ہوا لیکن ان کی کارکردگی متاثر نہیں ہوئی۔ گویا عورتیں ایران کی ترقی میں برابر کی شریک ہیں[۴۲]۔

ظہور اعوان شہروں سمیت دیہاتوں میں بھی خواتین کو سرگرم عمل پاتے ہیں۔ان کی بات معنی خیز ہے کہ اسلامی جمہوری حکومت نے خواتین سے صرف حجاب کا تقاضا کیا، باقی حقوق ان کو دے دیے ہیں۔ غور کریں تو وہ حجاب کو خواتین کا حق چھن جانا نہیں سمجھتے ہیں، ایک اصول کے طور پر جانتے ہیں:

> دیہی علاقوں میں بھی خواتین اس طرح اپنے اسلامی حجاب کے اندر مردوں کے شانہ بہ شانہ کام کرتی اور سڑکوں پہ اکیلی آتی جاتی دکھائی دیں۔خواتیں موٹریں چلارہی تھیں۔ فیکٹریوں، کارخانوں میں کام کررہی تھیں۔ بندوقیں اٹھائے ملک کی حفاظت کررہی تھیں۔ ایرانی انقلاب نے ان سے صرف حجاب اور حیا کا تقاضا کیا۔ باقی ان کو سب حقوق دے دیے ہیں[۴۳]۔

صفدر رہمدانی کھل کر مغرب میں ایرانی خواتین کے بارے میں خبروں کا جو پھیلاؤ ہوا ہے، اسے پروپیگنڈا قرار دیتے ہیں اور ان کی اس بات کو کہ ایرانی خواتین آزادی سے محروم ہیں، غلط ثابت کرتے ہیں، وہ ''آزادی'' کا تجزیہ کرتے ہوئے اپنے نقطۂ نظر سے ایرانی خواتین کو معنوی آزادی سے ہم کنار دیکھتے ہیں:

> میں اس سے پہلے بھی مغرب کے اس پروپیگنڈے کا ذکر کر چکا ہوں کہ ایران میں خواتین کو آزادی حاصل نہیں جب کہ میرا مشاہدہ اس سے بالکل الٹ ہے اور وہ یہ ہے کہ شاید ہی کوئی ایسا شعبہ ہو جس میں مردوں کے شانہ بہ شانہ مکمل آزادی کے ساتھ خواتین بھی اپنا کردار ادا نہ کررہی ہوں۔ ہاں اگر آزادی کا مطلب بے حیائی اور مادر پدر آزادی ہے جس کا مظاہرہ مغربی ممالک کی اکثر سڑکوں پر نظر آتا ہے تو پھر بلاشبہ ایران میں آزادی نہیں ہے[۴۴]۔

باقی سفرنامہ نگاروں کے ہاں بھی اسی سے ملتے جلتے تاثرات ملتے ہیں، بلکہ وہ حجاب کو خواتین کی عزت نفس اور شان بڑھانے والا عنصر گردانتے ہیں۔ بگوی کے خیال میں حجاب کی بہ دولت ایرانی عورت میں کمال کی خوبیاں پیدا ہوئی ہیں اور یہ سب اسلامی تہذیب سے ماخوذ ہے:

> دوپٹے کے ساتھ ایرانی عورت انتہائی پر اعتماد نظر آتی ہے۔ یہ صلہ اسے اپنے احساس تحفظ، آزادی کار اور عزت نفس سے ملا جو اسلام کا مرہون منت ہے۔ وہ اپنے کام میں مصروف ہے ۔ ۔ ۔ یہی حجاب ہے جس کی بنا پر ایرانی عورت ایران کی زندگی میں نصف سے زائد موثر کردار ادا کر رہی ہے[۴۵]۔

خواتین سفرنامہ نگار بھی، ایرانی خواتین کو حجاب میں دیکھ کر اکتاہٹ کے بجائے ان کو سراہتی ہیں اور حجاب کو ملک کی ترقی میں حصہ لینے کے لیے رکاوٹ سمجھتیں اور نہ ہی حجاب کو خواتین کے لیے کوئی زنجیر نہیں جانتی ہیں۔ بشریٰ فرخ کے بہ قول:

> یہاں کی خواتین نے اسلامی پردہ اپنا کر دنیا کی ساری نعمتیں، ساری عزتیں اپنالی ہیں۔ ۔ ۔ خواتین مردوں کے شانہ بشانہ ایران کی تعمیر و ترقی میں اپنا کردار ادا کر رہی ہیں۔ مگر عفت حیا اور پاکیزگی کے ہالے ان کے چہروں کا احاطہ کیے ہوئے ہیں[۴۶]۔

ان کے نزدیک، پردہ اور خود کو چھپانا، ایرانی خاتون کے لیے ایک پُرامن اور پُرتحفظ مددگار ہے بلکہ خواتین کو معاشرے میں آگے بڑھانے کا راستہ پیدا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشرف مبشر لکھتی ہیں:

> ۔ ۔ ۔ ایران کے صرف تین بڑے شہروں، تہران، شیراز اور مشہد مقدس کے ماحول سے اندازہ لگا لیا کہ بانوان ایران مکمل اسلامی پردے، سر سے پاؤں کی ایڑھی تک چادر اور حجاب میں معاشرتی، معاشی اور سیاسی معاملات میں جوانان ایران کے ہم دوش بڑی ثابت قدمی اور خود اعتمادی کے ساتھ اپنے ملک کی تعمیر و ترقی میں حصہ دار ہیں۔ ایرانی خواتین نے بہ صد خوشی چادر کے وقار اور اس کے ساتھ جڑے تحفظ کو اپنا لیا ہے۔ حجاب میں رہتے ہوئے وہ زیادہ سہولت کے ساتھ ساتھ بھرپور طریقے سے اپنا کردار ادا کر رہی ہیں۔ یہاں خواتین ہر شعبہ زندگی میں ہراول دستہ بن گئی ہیں۔ مکمل پردے میں رہ کر ملک کے سیاسی، ثقافتی اور سائنسی میدان میں وقار اور عزت کے ساتھ متحرک و مشغول ہیں[۴۷]۔

مغربی اور پاکستانی سفرنامہ نگاروں میں ایران میں عورت، حجاب اور معاشرتی سرگرمیوں میں ان کے مقام کے بارے میں آرا کا فرق قابل غور ہے۔ حجاب تو ایک ہی جھلک ہے، تہذیب کے ہر پہلو پر سوچ اور تاثر میں فرق ملتا ہے۔ حسن میرزایی اور جبار رحمانی یورپی لوگوں کے مختلف ادوار میں لکھے گئے سفرناموں کا جائزہ لیتے ہیں اور ان میں کی جانے والی ایرانی تہذیب پر کڑی تنقید سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں:

> مجموعی طور پر اس طرح مغربی سمجھ، سب سے زیادہ مغرب کی صورت حال، تاریخی تبدیلیوں اور مواقع پر مبنی رہی ہے اور ایران کی تصویر سازی کرنے کے لیے سبب، نہ صرف ایران کی صورت حال بلکہ مغرب کی صورت حال بھی اہمیت کے حامل رہی ہے[۴۸]۔

اس رائے کو پاکستانی باشندوں کے بارے میں مدنظر رکھیں تو یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ ایران کی تصویر سازی اور خاص طور پر حجاب

اور خواتین کی کارکردگی کی موجودہ حالت کو مثبت نگاہ سے دیکھنا، پاکستان کی اپنی اخلاقی و تہذیبی صورت حال کی بنیاد پر ہے۔

حاصل کلام

دور حاضر میں پاکستانی سیاح، سیاسی، معاشرتی، تعلیمی، تفریحی اور علمی مقاصد کے لیے ایران کا سفر کر چکے ہیں۔ اکثر وہ پڑھے لکھے ہیں۔ بعض شاعر یا ادیب ہیں۔ ان کو ایران کے معاشرتی، سیاسی، ثقافتی مسائل کا بہ خوبی علم ہے۔ ان کے سفر ناموں میں تہذیب و ثقافت ایک اہم پہلو کے طور پر ابھر کر سامنے آتی ہے۔ اس حوالے سے ان کا شوق اور ایرانی تہذیب کو شناخت کرنے کی بنیاد تین باتوں پر ہے: ایک تو وہی عام سی وجہ ہے کہ دوسروں کی تہذیب و ثقافت کی کیفیت اور نوعیت کی واقفیت انسان کی فطرت سے وابستہ ہے؛ دوسری وجہ یہ ہے کہ اپنے پڑوسی سے باخبر رہیں؛ اسلامی انقلاب کے بعد کیسے حالات ہیں اور کیا کایا پلٹ ہوئی ہے اور نئی تہذیب میں کیا رنگ چڑھا ہے۔ سوائے خور و نوش کے جو ان کے مزاج کے ساتھ ہم آہنگ نہیں، سارے سفر ناموں میں ایران کی تہذیب کی کوئی نہ کوئی جھلک ان کی طبیعت پر دیرپا اور باوقار اثر چھوڑتی ہے۔ یہاں سفر ناموں کے حوالوں سے بات کرنے کا مقصد صرف ان کی داد اور تعریفیں کرنا نہیں بلکہ یہ کہنا ہے کہ پاکستانی اور ایرانی تہذیبیں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔ اگر ان میں کوئی فرق ہے اور پاکستانی سفر نامہ نگار ایران کی کوئی مثال پیش کر کے اس کو نمایاں کرتے ہیں تو یہ اس لیے ہوتا ہے کہ وہ اس کو اپنی تہذیب کے قریب دیکھتے ہیں یا اپنی فطرت کے مطابق پاتے ہیں۔ دو مختلف قومیں جن کا مزاج مشرقی ہے اور ایک مذہب میں ڈھلی ہوئی ہیں وہ آپس میں سوچ و فکر میں مماثلت رکھتی ہیں۔ دونوں کی امنگیں اور مقاصد آپس میں ملتے ہیں۔ دونوں کے تفکر، رہن سہن اور معیارات میں مماثلتیں ملتی ہیں۔

مقالے کا حاصل کلام یہ ہے کہ ایرانی اور پاکستانی تہذیب و ثقافت میں مشترکات اتنے زیادہ ملتے ہیں کہ ان دنوں میں اس حوالے سے لین دین کی گنجائش رہتی ہے اور بالکل برمحل ہے۔ ان سفر ناموں میں تہذیب پر معلومات وسیع پیمانے میں قلم بند ہوئی ہیں جن کو اکٹھا کیا جائے تو ایک قیمتی اور ضخیم دائرۃ المعارف تشکیل دیا جا سکتا ہے۔

حواشی و حوالہ جات

* (پ:۱۹۷۱ء) ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، یونی ورسٹی آف تہران، تہران۔

۱۔ وحید قریشی، ''تبصرہ: 'اے آب رود گنگا' از رفیق ڈوگرہ''، مشمولہ سہ ماہی معاصر، شمارہ نمبر ۳ (لاہور: ۱۹۸۴ء)، ۵۹۹۔

۲۔ امیر عبدالرضا سپنجی، ''فرہنگ عمومی و ارتباطات اجتماعی ایرانیان از نگاہ سفرنامہ نویسان اروپایی د ردوران قاجاریہ و پہلوی''، مشمولہ نامہ پژوہش فرہنگی، جلد دہم، دورہ سوم، شمارہ ہفتم (تہران: پاییز ۱۳۸۸ش)، ۸۰۔

۳۔ خالد محمود، اردو سفرناموں کا تنقیدی مطالعہ (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو، ۲۰۱۹ء)، ۲۳۷۔

۴۔ مختار مسعود، لوح ایام (لاہور: تعمیر انسانیت، ۲۰۱۹ء)، ۴۷۳۔

۵۔ رؤف پاریکھ، '''لوح ایام' پر نقش 'آواز دوست' کا 'سفر نصیب' ہوا''، مشمولہ صاحب آواز دوست مختار مسعود، ترتیب و تدوین امر شاہد (جہلم: بک کارنر، ۲۰۱۷ء)، ۱۱۲۔

۶۔ سلیم عباس قیصر، ارشاد احمد حقانی: ادارت سے وزارت تک (لاہور: گورا پبلشرز، ۱۹۹۷ء)، ۱۹۴۔

۷۔ شبیلہ کوثر، اردو ادب میں ایران کے سفرنامے: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، مقالہ برائے ایم فل اردو (غیر مطبوعہ)، استاد نگران: انور سدید (اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۲۰۰۴ء)، ۱۲۴۔

۸۔ صفدر ہمدانی، تہران ہو گر عالم مشرق کا جنیوا: سفرنامہ ایران، اشاعت اول (اسلام آباد: القمر آن لائن، جون ۲۰۰۶ء)، ۲۶۶۔

۹۔ الطاف شیخ، ایران کے دن: سفرنامہ (کراچی: ویلکم بک پورٹ، جنوری ۲۰۱۵ء)، ۴۳۔

۱۰۔ صائمہ اسلم، بلقیس ریاض: شخصیت اور فن (لاہور: دستاویز مطبوعات، ۲۰۱۸ء)، ۱۴۰۔

۱۱۔ ظہور اعوان، انقلاب کے دس دن (لاہور: الوقار پبلشرز، جنوری ۲۰۰۹ء)، ۱۲۳۔

۱۲۔ افضل علوی، دیکھ لیا ایران: سفرنامہ، بار دوم (لاہور: پنجاب بک سنٹر، ۱۹۹۰ء)، ۲۱۸۔

۱۳۔ انوار احمد بگوی/ فرحت احمد بگوی، خمینی و فردوسی کی سرزمین (لاہور: شاہکار، ۲۰۱۰ء)، ۱۵۴۔

۱۴۔ احسان علی دانش، امام خمینی کی 25ویں برسی میں (سکردو، ۲۰۱۶)، ۴۸، ۱۵۰۔

۱۵۔ زاہد منیر عامر، ''ایران ۔۔۔ بیس برس پہلے اور آج''، مشمولہ سال نامہ الحمرا، جلد ۱۷، شمارہ ۱ (لاہور، جنوری ۲۰۱۷ء)، ۹۷۔

۱۶۔ افضل علوی، دیکھ لیا ایران: سفرنامہ، ۲۱۔

۱۷۔ الطاف شیخ، ایران کے دن: سفرنامہ، ۳۵۔

۱۸۔ افضل علوی، دیکھ لیا ایران: سفرنامہ، ۴۸۔

۱۹۔ سید علی اکبر رضوی، ایران سرزمین انقلاب: سفرنامہ، دوسری اشاعت (کراچی: ادارہ ترویج علوم اسلامی، ۲۰۰۵)، ۱۵۱۔

۲۰۔ زبیر شفیع غوری، نیرنگ ایران، خراسان تا آذربائیجان (لاہور: اقبال پبلشرز، ۲۰۱۵ء)، ۱۰۷۔

۲۱۔ انوار احمد بگوی/ فرحت احمد بگوی، خمینی و فردوسی کی سرزمین، ۴۸۔

۲۲۔ رضوان اللہ، پاکستانی مزاح نگاروں کے سفرنامے: تقابلی و تنقیدی مطالعہ، مقالہ برائے پی ایچ ڈی (غیر مطبوعہ)، نگران مقالہ: تنظیم الفردوس (کراچی: جامعہ کراچی، ۲۰۱۸ء)، ۱۰۔

۲۳۔ سید اسعد گیلانی، سفرنامہ ایران (لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۸۳ء)، ۱۵۷۔

۲۴۔ افضل علوی، دیکھ لیا ایران: سفرنامہ، ۶۶۔

۲۵۔ نگار سجاد ظہیر، اذن سفر دیا تھا کیوں: سفرنامہ ایران (کراچی: قرطاس، ۲۰۱۶ء)، ۲۶۔

۲۶۔ الطاف شیخ، ایران کے دن: سفرنامہ، ۳۷۳۔

۲۷۔ افضل علوی، دیکھ لیا ایران: سفرنامہ، ۶۹۔

۲۸۔ ظہور اعوان، انقلاب کے دس دن، ۳۹۔

۲۹۔ بلقیس ریاض، عمر خیام کے دیس میں (لاہور: مقبول اکیڈمی، س۔ن۔)، ۲۳۔

۳۰۔ رضوی، ایران سرزمین انقلاب: سفرنامہ، ۱۷۹۔

۳۱۔ بشریٰ فرخ، خمینی کے ایران میں، (پشاور: قونصلیٹ آف اسلامی جمہوریہ ایران، ۲۰۱۶ء)، ۱۳۷۔

۳۲۔ زاہد منیر عامر، ''ایران ۔۔۔بیس برس پہلے اور آج''، ۷۹۔

۳۳۔ ظہور اعوان، انقلاب کے دس دن، ۹۲۔

۳۴۔ احسان علی دانش، امام خمینی کی 25ویں برسی میں، ۱۵۰۔

۳۵۔ بلقیس ریاض، عمر خیام کے دیس میں، ۲۸۔

۳۶۔ آفتاب سومرو، پھر ایران کو چلے: سفرنامہ ایران (لاہور: الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب، ۲۰۱۲ء)، ۳۱۔

۳۷۔ صفدر ہمدانی، تہران ہو گر عالم مشرق کا جنیوا: سفرنامہ ایران، ۲۳۴۔

۳۸۔ انوار احمد بگوی/ فرحت احمد بگوی، خمینی و فردوسی کی سرزمین، ۱۵۸۔

۳۹۔ ظہور اعوان، انقلاب کے دس دن، ۲۰۷۔

۴۰۔ صفدر ہمدانی، تہران ہو گر عالم مشرق کا جنیوا: سفرنامہ ایران، ۱۰۶۔

۴۱۔ زاہد منیر، ''نیشاپور۔۔۔نظم سہراب سپہری سے ہوئی دل کی کشود''، مشمولہ روزنامہ نئی بات (لاہور: بدھ، ۲ دسمبر ۲۰۱۵ء)۔

۴۲۔ سید علی اکبر رضوی، ایران سرزمین انقلاب: سفرنامہ، ۱۲۱۔

۴۳۔ ظہور اعوان، انقلاب کے دس دن، ۵۵۔

۴۴۔ صفدر ہمدانی، تہران ہو گر عالم مشرق کا جنیوا: سفرنامہ ایران، ۹۳۔

۴۵۔ انوار احمد بگوی/ فرحت احمد بگوی، خمینی و فردوسی کی سرزمین، ۱۵۳۔

۴۶۔ بشریٰ فرخ، خمینی کے ایران میں، ۱۶۱۔

۴۷۔ مشرف مبشر، بوستان ایران (پشاور: خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، ۲۰۱۸ء)، ۲۱۱-۲۱۲۔

۴۸۔ حسن میرزایی/ جبار رحمانی، ''فرہنگ و شخصیت ایرانیان در سفرنامہ ہای خارجی''، مشمولہ فصل نامہ تحقیقات فرہنگی، جلد اول، شمارہ ۳ (پاییز ۱۳۸۷ش)، ۷۳۔

Bibliography

Alvi, Afzal. *Dekh̲ līā Irān: Safarnāmā*. Lahore: Punjab Book Center, 1990.

Amir, Zahid Munir. "Nīshāpūr … Naẑm Sohrāb Sepehrī sē Hūī Dil kī Kashud." Daily *Na'ī Bāt*. Lahore: December 2, 2015.

Amir, Zahid Munir. "Irān … Bīs Baras Pehlē aur Āj." *Alhamrā* 17, no. 1. Lahore, January 2017.

Aslam, Saima. *Bilqīs Rīāẓ: Shakhsīat aur Fan*. Lahore: Dastavez Mutbuat, 2018.

Awan, Zahoor. *Inqilāb kē Das Din*. Lahore: Al-Waqar Publications, January 2009.

Bagwi, Anwar Ahmad and Bagwi, Farhat Ahmad. *Khumainī va Firdausī kī Sarẓamīn*. Lahore: Shahkar, 2010.

Danish, Ihsan Ali. *Imām Khumainī kī Pachisviṅ Barsī mēṅ*. Skardu, 2016.

Farrukh, Bushra. *Khumainī kē Irān meṅ*. Peshawar: Consulate of Islamic Republic of Iran, 2016.

Ghauri, Zubair Shafi. *Nairang-i Irān, Khurāsān tā Azirbā'ijān*. Lahore: Iqbal Publishers, 2015.

Gilani, Syed Asad. *Safarnāmā-i Irān*. Lahore: Maktaba Tameer-i Insaniyat, 1983.

Hamdani, Safdar. *Tehrān ho gar 'Ālam-i Mashriq kā Janīvā: Safarnāmā-i Irān*. Islamabad: al-Qamar Online, 2006.

Kausar, Shabila. "Urdū Adab mēṅ Irān kē Safarnāmē: Taḥqīqī va Tanqīdī Mutāle'ā." Thesis for PhD. Islamabad: Allama Iqbal Open University, 2004.

Mahmood, Khalid. *Urdū Safarnāmoṅ kā Tanqīdī Mutāle'ā*. New Delhi: National Council for Promotion of Urdu Language, 2019.

Masood, Mukhtar. *Lauh-i Ayām*. Lahore: Maktaba Tameer-i Insaniyat, 2019.

Mirzai, Hasan and Rahmani, Jabbar. "Farhang va Shakhṣiyat-i Irāniyān dar Safarnāmēhā-i Khārijī." *Faṣalnāmēh Tehqīqāt-i Farhangi* 1, no. 3. Autumn 1387 SH.

Mubashir, Musharaf. *Būstān-i Irān*. Peshawar: Khana-i Farhang Jamhoori Islami Iran, 2018.

Parekh, Rauf. "Lauh-i Ayām par Naqsh-i Āvāẓ-i Dost kā Safar Naṣīb Huā". In *Ṣāhib-i Āvāẓ Dost Mokhtār Mas'ūd*. Compiled by Amr Shahid. Jhelum: Book Corner, 2017.

Qaiser, Salim Abbas. *Irshād Aḥmad Ḥaqānī: Idārat sē Viẓārat tak*. Lahore: Gora Publishers, 1997.

Qureshi, Waheed. Commentary on *Ae Āb-i Rūd-i Gangā* by Rafiq Dogra. *Mu'āṣir*, no. 3. Lahore, 1984.

Riaz, Bilqees. *'Umar Khayām kē Dais mēṅ*. Lahore: Maqbool Academy.

Rizvan Ullah. "Pākistānī Māẓāh Nigaroṅ kē Safarnāmē: Taqābulī va Tanqīdī Mut̲āle'ā". Thesis for PhD. Karachi: University of Karachi, 2018.

Rizvi, Syed Ali Akbar. *Irān Sarẓamīn-i Inqilāb: Safarnāmā*. Karachi: Idara-i Tarveej-i Uloom-i Islami, 2005.

Sepanji, Amir Abdur Reza. "Farhang-i 'Umūmī va Irtibāt̲āt-i Irānīān aẓ Nigāh-i Safarnāmē Navīsān-i Ūrūpāī dar Daurān-i Qājārīē va Pehlavī." *Nāmē Paỳūhesh Farhangī* 10-3, no. 7. Tehran: Autumn 1388 SH.

Shaikh, Altaf. *Irān kē Din: Safarnāmā*. Karachi: Welcome Book Port, January 2015.

Soomro, Aftab. *Ph̲ir Irān ko Chalē: Safarnāmā-i Irān*. Lahore: Al Faisal Publishers, 2012.

Zaheer, Nigar Sajjad. *Izn-i Safar Dīyā th̲ā Kīyūṅ: Safarnāmā-i Irān*. Karachi: Qirtas, 2016.